عصر حاضر میں فکری، روحانی اور معرفتی خلاء کو پُر کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کا احیاء

مولف: آیت اللہ صادق رشاد
مترجم: محمد حسن زیدی

ابلاغ پیغام سنت نبوی ہے

آیت اللہ خامنہ ای نے یورپ اور امریکی جوانوں کے نام خط لکھ کر در حقیقت سنت نبوی پر عمل کیا ہے۔ اپنے مخاطبین سے اس انداز سے بات کرنے کی بنیاد خود رسول اسلامؐ نے ہی ڈالی ہے۔ تاریخ اسلام میں اس حقیقت کا ہم مسلسل مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب بھی رسول اکرمؐ کچھ افراد کو کسی خطے میں روانہ فرماتے تھے تو دوسرے احکامات کے ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو یہی آپ کی پہلی نصیحت ہوتی تھی کہ وہاں کے جوانوں پر خصوصی توجہ دینا۔ رسول اکرمؐ فرمایا کرتے تھے: علیکم بالاحداث فانهم اسرع الی کل خیر۔ جوانوں پر توجہ دو کیونکہ وہ نیکیوں کی جانب راغب ہونے میں تیز ہوتے ہیں۔

بنیادی طور پر خود آنحضرتؐ جب دوسرے افراد سے ملاقات فرمایا کرتے تھے تو جوانوں پر خصوصیت کے ساتھ توجہ فرماتے تھے اور اپنے نمائندوں سے بھی تاکید کرتے تھے کہ جوانوں کے ساتھ روابط زیادہ رکھا کرو۔ خود آنحضرتؐ کا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ جوان طبقے کو اپنی جانب متوجہ فرمایا کرتے تھے اور جوانوں کے دلوں کو تبدیل کیا کرتے تھے کیونکہ یہ طبقہ فطرت الٰہی سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ جوانوں میں تبدیلی لانے کا ثمرہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے خانوادوں پر بھی اس کا مثبت اثر ہوا کرتا تھا۔ عام طور پر جب کوئی جوان پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور وہ منقلب ہو کر واپس جاتا تھا تو اس کا کردار و رفتار اور اخلاق اس قدر بدل چکا ہوتا تھا کہ اس کے اہل خانہ خود بخود اس کی جانب متوجہ ہو جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے والدین حیرت میں پڑ جایا کرتے تھے کہ اچانک اتنی تبدیلی کیسے آ گئی ہے بلکہ فوراً سوال بھی کر لیا کرتے تھے کہ یہ کیا

ہو گیا ہے؟ کس سے مل کر آ رہے ہو کہ اتنے تبدیل ہو گئے ہو؟

جب ان کے بچے وضاحت کرتے تھے کہ یہ انقلاب کیسے آیا ہے اور کس ہستی کے زیر اثر اتنی تبدیلی آئی ہے جو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی واحسان کیا کرو تو فہیم والدین کہا کرتے تھے کہ ضرور یہ ہستی کوئی پیغمبر ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جوان اور نئی نسل جب پیغمبر اکرمؐ کی دعوت پر لبیک کہتی تھی تو گذشتہ نسل سے اس کی جھڑپیں بھی ہو جایا کرتی تھیں۔ جو افراد اپنے اسلاف کے غلط عقائد پر پختگی کے ساتھ عمل کیا کرتے تھے وہ رسول اکرمؐ کے آس پاس نظر بھی نہیں آتے تھے جس کی وجہ سے گھرانوں میں اختلافات رونما ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ افراد انہیں اختلافات کو بہانہ بنا کر رسول اللہؐ پر الزام بھی لگایا کرتے تھے کہ آپ گھرانوں میں اختلافات کی بنیاد بن رہے ہیں اور جوانوں کو اپنے والدین اور بزرگوں کی مخالفت پر مجبور کر رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ جوان طبقے پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے اور اس طرح یہ کردار و رفتار ایک دینی سنت ٹھہرتی ہے جس پر عمل درآمد اس سنت کا احیا ہے۔

رہبر انقلاب کا یہ اقدام ایک قسم کی رہنمائی ہے۔ یہ خط اس لئے تحریر کیا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا یا جاسکے کہ عصر حاضر میں ہماری ذمہ داری کیا ہے اور کس شئ پر بیشتر توجہ دینا چاہئے؟ دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس متعدد دینی تعلیمات و پیغامات موجود ہیں اور اگر ہم ان پیغامات کو دنیا کے مختلف خطوں و طبقوں تک پہونچا پاتے ہیں تو ہم کامیاب ہیں اور اگر ہم ایسا نہیں کرسکے یا ہم سے کوتاہیاں ہو گئیں تو ہم نے نقصان کا سودا کیا ہے۔ دوسروں خصوصاً جوانوں تک اپنا دینی پیغام پہونچانے میں ہم نے بہت کوتاہیاں کی ہیں اور بہت غفلت برتی ہے۔

حضرت امام خمینی(رہ) اس موضوع پر خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اندرون ملک جوان طبقہ آپ کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ انقلاب اسلامی کی بنیاد جوان نسل کی فکر وجوش اور صلاحیتوں پر ہی رکھی گئی تھی۔ امام خمینی(رہ) کی گفتگو جوان طبقے پر زیادہ اثر انداز ہوا کرتی تھی لیکن ہم نے اتنا سب کچھ مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اس اہم ترین موضوع کو یکسر بھلا دیا ہے اور اس رابطے کو وسیع پیمانے پر اور منظّم طریقہ سے آگے بڑھانے کے سلسلے میں کوئی چارہ اندیشی بھی نہیں کی ہے۔

گورباچوف کے نام امام خمینی (رہ) کا خط اور اس سے متعلق ہماری تاریخی غفلت

امام خمینی (رہ) کا گورباچوف کے نام خط ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے اور عصر رسول اسلامؐ کے بعد اس قسم کے اقدامات شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ اس سے پہلے اس قسم کا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا جب امام خمینی (رہ) جیسی کسی عظیم شخصیت نے کسی سپر پاور کو اس طرح کا پیغام ارسال کیا ہو اور خط بھی ایسا کہ جس کا مضمون اور جس کے اندر تحریر شدہ قطعی پیشین گوئیاں مرسل الیہ پر یہ حقائق ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں کہ اب اس کا زوال شروع ہو چکا ہے نیز اسی خط میں یہ بھی بتایا جارہا ہو کہ زوال کے بعد رونما ہونے والے حالات میں کیا کیا جانا چاہئے۔ اس سماج کی اہم شخصیات کو ان حقائق کی جانب متوجہ کرانا ایک بہت اہم اقدام تھا۔ یوں تو مارکس ازم ایک ایسی تحریک ہے جو سماجی حیثیت سے نہایت ناکارہ اور غیر مفید ہے مگر اس کی فلسفی بنیادیں کافی گہری ہیں۔ یہاں تک کہ اس تحریک کے بانیوں نے اپنے لئے ایک جدا فلسفہ بھی تراش لیا ہے۔ اس فلسفے کو حکومتوں اور حاکموں نے تمام خامیوں کے باوجود دنیا میں کافی دور دور تک پہونچانے میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی یہاں تک کہ ان افراد نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ ان پڑھ کاریگروں کا طبقہ بھی مارکس کے اس فلسفی پیغام کے ہمراہ ہو گیا ہے۔

امام خمینی (رہ) کا خط فلسفی، عرفانی پہلو لئے ہوئے تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا نعروں سے مکمل طور پر بے حال ہو چکی تھی۔ مشرقی دنیا جس کا مرکز سوویت یونین تھا، سیاسی اور سماجی بحثوں سے خستہ ہو چکی تھی کیونکہ قریب ایک صدی کا عرصہ گزر چکا تھا اور ان نعروں اور پیغاموں کے علاوہ کچھ سنائی نہیں پڑ رہا تھا۔ لہٰذا اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک عمیق روحانی اور عرفانی تفکر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور امام خمینی (رہ) کا پیغام یہی جہت اپنے اندر سموئے ہوئے تھا۔

پیغام امام کے سلسلے میں ہم لوگوں سے کوتاہی ہوئی ہے اور اس خط پر جتنی توجہ دی جانی چاہئے تھی اتنی نہیں دی گئی۔ ہم نے اس پیغام کے سلسلے میں کوئی اہم اقدام نہیں کیا ہے جبکہ اس پیغام کے مضامین نہایت ہی عمیق ہیں جس میں ایک سیاسی نظام کے زوال کی پیشین گوئی کی گئی تھی جو کچھ ہی عرصے کے بعد محقق بھی ہو گئی تھی۔

میں نے روس کے کئی سفر کئے ہیں اور وہاں کی کئی یونیورسٹیوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا ہے مگر وہاں بھی ابھی تک بہت سے افراد اس پیغام سے مطلع نہیں ہیں۔ کچھ افراد اس پیغام سے آشنا ہیں لیکن

اس کو مزید سمجھنے کے لئے ان کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر امام خمینی(رہ) نے اپنے اس پیغام میں ایک تجویز یہ رکھی تھی کہ ابن عربی کی «فصوص الحکم» یا ابن سینا اور «صدر المتالہین» کی کتب کا مطالعہ کیا جانا چاہئے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس خطے میں کچھ جگہوں پر سرے سے فلسفہ پایا ہی نہیں جاتا یا وہاں یہ کتب موجود ہی نہیں ہیں۔ یہ تمام کتب عربی زبان میں ہیں اور ابھی تک انگریزی اور یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ نہیں ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جن میں سے کچھ کلیسا سے بھی وابستہ ہیں، نہایت ہی سطحی کتب کی یہ فرض کرکے تدریس کی جارہی ہے کہ یہی کتب اس ضرورت کی تکمیل کر سکتی ہیں۔

ایک بار وہاں سے واپس آنے کے بعد اندیشہ جوان سنٹر سے شائع شدہ فلسفہ اسلامی سے متعلق ایک آسان سی کتاب ہم نے وہاں ارسال کی تھی۔ ان لوگوں نے اسی کتاب کو ترجمہ کرکے اپنے نصاب کا حصہ بنا لیا تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو کتابچہ نہایت ہی سادہ سی زبان میں یہاں کے جوانوں کو فلسفہ صدرائی سمجھانے کے لئے تالیف کیا جاتا ہے وہ وہاں کے تعلیمی نظام کا حصہ بن گیا جس کا خوب خوب استقبال بھی کیا گیا۔ گذشتہ سفر میں میری ملاقات روس میں ایران کے سفیر سے بھی ہوئی تھی۔ اس جلسے میں میں نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ امام خمینی نے اپنے پیغام میں جن کتب کی نشاندہی فرمائی ہے کم از کم انہی کتب کا ماسکو سے ترجمہ کرواکر شائع کروادیجئے تاکہ جن ہستیوں کی جانب امام خمینی(رہ) نے اشارہ فرمایا ہے ان سے متعلق یہاں ایک شناخت پیدا ہوجائے یا پھر اتنا تو ہو ہی جائے کہ ان کتب میں موجود مضامین کا خلاصہ یہاں کی فکری وثقافتی زبان میں ترجمہ کراکے شائع کردیا جائے۔ میں نے اسی موقع پر اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ہم نے ابھی تک اس تاریخی پیغام کے مضامین ومفاہیم کی نشر واشاعت کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا ہے۔

البتہ ملک کے اندر ضرور اس سلسلے میں کچھ اقدامات کئے گئے ہیں مثلا مرحوم محمدی گلپایگانی نے اس پیغام کی شرح فرمائی ہے لیکن ملک سے باہر اس سلسلے میں کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ ہم اس خط کے سلسلے میں ایک تاریخی خطا کے مرتکب ہوئے ہیں جس کے لئے ہمیں تاریخ، امام خمینی(رہ) اور خداوند عالم کے حضور میں عذر خواہی کرنا چاہئے۔ ہمارے سیاسی نظام، ہماری حکومت، ہمارے ثقافتی اداروں، ہماری یونیورسٹیوں اور ہمارے حوزہ نے اس سلسلے میں کوتاہی کی ہے جس کے لئے ہم سبھی کو استغفار کرنا

چاہئے۔ مجھے خوف یہ ہے کہ آیت العظمی خامنہ ای کے گذشتہ پیغام کا حشر بھی اسی قسم کا نہ ہو جائے۔ ہم نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی موثر سیاسی اقدام نہیں کیا ہے۔ کبھی کبھی ملک کے اندر تو کچھ اقدام ہو بھی جاتے ہیں از قبیل جلسات، نشستیں یا سمینار وغیرہ جن میں ذمہ دار حضرات بھی شرکت کر لیتے ہیں لیکن چند روز بعد ہی نظر آتا ہے کہ آمدند و نشستند و برخاستند یعنی پروگرام تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا نتیجہ کچھ نظر نہیں آتا۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنہا ایک فرد اتنا بڑا کام کر جاتا ہے کہ اس کے کام کا اثر بڑے وسیع پیمانے پر ہوتا ہے جب کہ اس کام کے لئے اس کی حمایت بھی نہیں ہوتی ہے۔ میں نے ایسے افراد کا مشاہدہ ایران کے اندر بھی کیا ہے اور ایران کے باہر بھی ایسے افراد سے ملاقاتیں کی ہیں۔

دنیا اسلامی تعلیمات کی پیاسی ہے

ہم دنیا کے سامنے کیا پیش کر سکتے ہیں؟ تاریخ کے آغاز سے ہی اسلام کی گود میں توحید کی شکل میں ایک قیمتی گوہر موجود رہا ہے۔ بنیادی طور پر اسلام نے اصل اثبات خدا کے سلسلے میں بہت زیادہ گفتگو نہیں کی ہے اور خود قرآن میں بھی اثبات وجود خدا پر زیادہ آیتیں نظر نہیں آتی ہیں۔ قرآن کریم نے سب سے زیادہ شرک سے جنگ کی ہے۔ اثبات وجود خدا کو تو قرآن کریم نے حل شدہ مسئلہ تسلیم کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج دنیا کو توحید کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ ادیان اور مراحل تکامل دین کے سلسلے میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ صحیح ہیں جب کہ قطعاً صحیح نہیں ہیں اور ہم صرف تسامحاً ان کی بات کو صحیح فرض کر لیتے ہیں کہ آغاز میں انسانی سماج شرک سے آلودہ تھا۔ پھر آہستہ آہستہ توحید نے اپنی جڑیں مضبوط کی ہیں۔ اگر ہم اسے صحیح فرض بھی کر لیں تب بھی دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک نایاب ہیرا موجود ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انسان فطری طور پر موحّد ہے۔ اس دنیا میں آنے والا پہلا انسان بھی موحد تھا اور خداوند متعال نے اپنے پہلے نبی کو بھی توحید کے پیغام کے ساتھ ہی دنیا میں بھیجا تھا۔

ہمارے پاس دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک نہایت قیمتی گوہر موجود ہے جس کی دنیا کو شدید ضرورت ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ انمول گوہر ہمارے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے کیونکہ موجودہ فرق و مسالک یا تو بے خدائی اور ایک مطلق خلا کا شکار ہو گئے ہیں جو ہستی کے لئے کسی روح کے قائل نہیں ہیں

جس کی وجہ سے وہ حیران و پریشان ہیں یا مبہم، بے بنیاد و بے معنی مفاہیم پیش کرتے ہیں جس سے انسانی ذہن مزید الجھ جاتا ہے۔امر قدسی کی بات کرتے ہیں۔ یہ امر قدسی کیا ہے؟اس مسئلے پر جتنا غور و خوض کیا جائے انسان وہم و گمان سے آگے قدم نہیں بڑھا پاتا، گویا نور خیالی کے وسط میں امر قدسی کی ایک مبہم سی فضا پائی جاتی ہے۔آگے بڑھئے تو غیر معین خدا کا نظریہ بھی سامنے آتا ہے۔آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شئ موجود بھی ہو اور معین بھی نہ ہو؟ عقیدۂ تثلیث کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔بعض عیسائی دانشور و مفکرین بلکہ بعض عیسائی علماء بھی اس عقیدۂ تثلیث پر سوال اٹھاتے نظر آتے ہیں۔اتنا ہی نہیں بلکہ اس عقیدے کے خلاف کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں، یہاں تک کہ اس عقیدے کی مخالفت کی وجہ سے تکفیر اور قتل تک بھی بات پہونچ چکی ہے۔ مغربی دنیا کے فلاسفہ اسی عقیدے کی وجہ سے دین سے جدا ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر برٹرانڈرسل اپنی کتاب ''میں کیوں عیسائی نہیں ہوں'' میں رقم طراز ہیں:

> ''جب تک میں نے ریاضیات نہیں پڑھی تھی تب تک میں اپنے والدین کی اس بات کو آسانی سے قبول کر لیتا تھا کہ خدا تین ہیں۔ تین ہوتے ہوئے ایک ہے اور ایک ہوتے ہوئے تین ہیں لیکن جب میں نے اسکول میں ریاضیات پڑھی تو میرے ذہن میں سوال پیدا ہونے لگا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تین ایک ہو جائے اور ایک تین ہو جائے؟ اس کے بعد میرے لئے واضح ہو گیا کہ اس دین کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔''

آج بھی کلیسا میں اسی نظریۂ تثلیث کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے جس کی بعض افراد توجیہ بھی کرتے نظر آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بس کسی طرح سے اس نظریے کو ثابت کر دیں۔اس نظریے کی توجیہ کے لئے ایسے ایسے دلائل لے کر آتے ہیں جن سے خود ان تعلیمات پر ہی سوال اٹھتا ہے۔کہتے ہیں کہ آخر معارف و عقائد کے عقلی ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ انسان کو بس مومن ہونا چاہئے جس کے بعد قطعاً ضروری نہیں ہے کہ اس کا ایمان معقول بھی ہو اور اس کا نام وہ فڈیسم (Fideism) رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دین و عقل کا میدان الگ الگ ہے چونکہ ان کے پاس ان سوالوں اور اعتراضوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا اس لئے عقل کو ہی زیر سوال لے آتے ہیں جبکہ یہ وہ سوالات ہیں جو بنیادی عقائد سے متعلق ہوتے ہیں اور جن کا مرکز دین اور جن کی اساس خدا ہوتا ہے کیونکہ اس اساس سے گہری دوسری کوئی اساس ہے ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ افراد عقل کو ہی سوالات کے کٹگھرے میں کھڑا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقل ہمارے معاملات میں دخل

اندازی کرتی ہے جس کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔ یہودیت و عیسائیت میں خدا کے بارے میں اسی قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ یہ تصورات کہاں اور ہمارا ترقی یافتہ تصور کہاں؟

ہم جس تصور و عقیدے کی بات کرتے ہیں وہ کسی بھی عاقل و متفکر انسان کو ایک نہایت عظیم پیغام دیتا نظر آتا ہے اور اگر بہتر طور پر تشریح و توضیح ہو جائے تو ہمارا عقیدہ ساری دنیا کو جاذب و خوبصورت نظر آئے گا۔ ہمارے عمیق منابع و ماخذ، ہمارا عرفان اور ہماری نہج البلاغہ کے اندر اتنی ہی کشش ہے۔ ہمارے پاس پورا خزانہ موجود ہے۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک نہج البلاغہ کو دنیا نے پہچانا ہی نہیں ہے۔ نہج البلاغہ آج بھی متروک ہے۔ نہج البلاغہ نے توحید کے عالی مفاہیم کو جس خوبصورت انداز میں بیان کر دیا ہے وہ اپنے آپ میں لاجواب ہے۔ نہج البلاغہ کے توسط سے ان عظیم مفاہیم کا ادراک کرنا دوسرے کسی بھی ماخذ کے توسط سے سمجھنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ واقعیت یہی ہے کہ ابھی تک نہج البلاغہ کے عمق تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

مخاطبین پیغام کو قرآن و سنت کی دعوت دی گئی ہے

رہبر انقلاب نے اپنے پیغام میں اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ قطعاً دوسری کتب کا مطالعہ مت کیجئے بلکہ اگر اسلام کو سمجھنا ہے تو براہ راست قرآن کریم اور سنت کے توسط سے سمجھئے۔ اگر ہم اسی نہج البلاغہ اور قرآن کریم کا بہترین ترجمہ کر دیں تو یہی کافی ہوگا۔ بارہا ایسے دانشور افراد سے میری ملاقات ہوئی ہے جو وہیں یورپ میں دل کی گہرائیوں سے مضبوط ایمان کے ساتھ مسلمان ہوئے ہیں جبکہ ان کی دسترس میں ان کتابوں کے علاوہ اور دوسری کوئی کتاب تھی ہی نہیں۔ مثلا کسی نے کہا کہ میں نے ایک ایسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے جو نہایت ہی عمیق و دلکش ہے۔ میں نے سوال کیا کہ کتاب کا نام کیا ہے تو کہا کہ قرآن اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں اسی ایک کتاب کا مطالعہ کرکے مسلمان ہوا ہوں۔ اس کتاب کے علاوہ میں نے دوسری کوئی کتاب نہیں پڑھی ہے اور نہ ہی اس کتاب کے علاوہ کسی نے مجھے اسلام سے متعلق کچھ بتایا یا سمجھایا ہے۔ اس قسم کے واقعات کا میں نے بہت مشاہدہ کیا ہے۔ چھ جلدی کتاب "امام علی: صدائے عدالت انسانی" کے مولف جارج جرداق کا واقعہ بھی اسی طرح ہے۔ ایک بار بیروت میں میرا ان کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہیں میں نے ان سے سوال کیا تھا کہ آخر ایک مشہور عیسائی ادیب و متفکر اچانک نہج البلاغہ کا عاشق کیسے ہو گیا؟

انہوں نے بتایا کہ میں جب تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اکثر کالج سے بھاگ جایا کرتا تھا۔ایک بار میں اپنے قصبے سے باہر نکل گیا تھا۔ میرے اساتید، والد اور بھائی میری تلاش میں تھے۔تلاش کرتے کرتے وہ اس درخت کے پاس پہونچ گئے جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ درخت کے سائے میں مجھے نیند آ گئی تھی۔ غضبناک حالت میں مجھے بیدار کیا گیا اور فوراً ہی سوالات کی جھڑی لگا دی کہ کہاں آئے دن فرار کر جاتے ہو اور کلاس میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ میرے بھائی نے کہا کہ ذرا مجھے بھی دیکھنے دیجئے کہ آخر یہ روز روز بھاگتا کیوں ہے؟ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آرام سے بتاؤ کہ تمہارے کالج سے فرار کرنے کی وجہ کیا ہے اور اگر کالج نہیں جانا چاہتے تو پھر آخر کرنا کیا چاہتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے تعلیم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے (البتہ آگے چل کر انہوں نے میڈیکل سائنس میں اعلی ڈگری بھی حاصل کی) مجھے ادبیات سے شغف ہے۔ میرا بھائی بھی اہل ادب تھا۔اس نے فوراً سوال کیا کہ کیا واقعاً ادبیات سے دلچسپی رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔اس نے کہا کہ اچھا میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک کتاب دکھاتا ہوں اور وہ کتاب نہج البلاغہ تھی۔ جیسے ہی وہ کتاب میرے ہاتھ لگی میں تو اس کا دیوانہ ہو گیا۔اس کے بعد سے ہمیشہ نہج البلاغہ میرے سرہانے موجود رہتی ہے۔

آگے چل کر انہوں نے وہ تاریخی کتاب لکھی جو اپنے آپ میں بے نظیر ہے اور شیعہ بھی اس کتاب کے جیسی دوسری کوئی کتاب دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں موجودہ دنیا کے مسائل کو نہج البلاغہ سے استخراج کرتے ہوئے عصری زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے کے تمام اہم مسائل جیسے حقوق انسانی، جمہوریت، آزادی وغیرہ اس کتاب کے موضوعات ہیں اور یہ وہ موضوعات ہیں جو آج کے بشر کا ارمان سمجھے جاتے ہیں جس کے بعد یہ دعویٰ بھی کر دیا گیا ہے کہ اب بشر اپنی معراج پر پہونچ گیا ہے۔ایک عیسائی نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اگر فقط انہیں موضوعات کو مد نظر رکھا جائے تب بھی نہج البلاغہ بے نظیر ہے۔ نہج البلاغہ کی طرح عرفان اسلامی بھی لاجواب ہے۔جو مفاہیم و مضامین ہمارے عرفان اسلامی میں پائے جاتے ہیں وہ نہایت گرانقدر اور عمیق ہیں۔

ایک بار ویٹیکن سٹی بھی میرا جانا ہوا تھا۔ سفر کے دوران ہمیں ایک ایسے شہر بھی لے جایا گیا جو روم سے تقریباً پچاس کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔پوپ گرمیوں میں وہیں قیام کرتے ہیں۔اس شہر میں ایک ایسا ادارہ بھی ہے جہاں ضرور جانا چاہئے۔ اسی ادارے میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس نے ایران کا ایک سفر کیا

تھا اور واپسی کے بعد وہ اپنے اس سفر سے اتنا خوش تھا کہ اس نے اس کے متعلق ایک کتاب بھی تحریر کی ہے۔اس سفر کے دوران اس شخص کی ملاقات آیت اللہ امامی کاشانی سے بھی ہوئی تھی۔ملاقات کے دوران آیت اللہ کاشانی نے اسے عرفان، عشق و محبت جیسے مسائل سے متعلق ایک قصہ سنایا تھا۔مجھ سے ملاقات ہوئی تو اس نے وہ قصہ مجھے بھی سنایا۔ قصہ یوں تھا کہ ایک لڑکی کسی جوان پر عاشق ہو گئی تھی۔اس جوان کو دیکھنے کی خاطر وہ بہانے بہانے سے فرش اپنے کھڑکی کے پاس لاتی تھی اور جھٹکے دے دے کر اس فرش کو جھاڑا کرتی تھی تاکہ وہ جوان بھی اس لڑکی کو دیکھ لے۔

اس شخص نے اسی واقعے سے الہام لے کر عرفان سے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے 'فرش صوفی'۔اس کتاب کی وجہ سے ہی ہماری اور اس شخص کی ملاقات طے ہوئی تھی۔

نیز اسی شہر میں ہم نے ایک ایسے سنٹر کا بھی مشاہدہ کیا جس کے بارے ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس سنٹر کو خواتین نے قائم کیا ہے اور وہی اس کی ذمہ دار ہیں۔ یہ ایک عالمی سنٹر ہے۔ اس ادارے کا قیام کچھ اس طرح ہوا تھا کہ اٹلی کے کسی صوبے کے ایک گاؤں کی تین لڑکیوں نے آپس میں انجیل کے پیغامات میں سے ایک پیغام پر عمل کرنے کا عہد کیا تھا۔وہ پیغام یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے ہو اسے دوسروں کے لئے بھی مت پسند کرو اور جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو۔ان لوگوں کا انجیل کے دوسرے کسی بھی پیغام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ بس اسی ایک پیغام پر عمل کرتی ہیں۔اپنے اس عمل کی وجہ سے انہوں نے پہلے تو اپنے گاؤں میں، پھر اپنے شہر میں اور اس کے بعد پورے ملک میں زبردست محبوبیت حاصل کی۔آج صورت حال یہ ہے کہ ان کی یہ تحریک ایک عالمی تحریک بن گئی ہے اور ان کا ایک بہت وسیع مواصلاتی نیٹ ورک ہے۔ ویسے اب یہ تینوں خواتین بوڑھی ہو چکی ہیں اور ان کی عمر اسی سال سے بھی متجاوز ہے۔جب ہم اس سنٹر کو دیکھنے گئے تھے تو ہمارے ساتھ چند عیسائی بھی تھے جن میں سے بعض عرفان کا دعویٰ بھی کر رہے تھے۔ صحیفہ سجادیہ اور دوسری کتابوں کے مضامین کے ساتھ ساتھ عرفانی مسائل کے بارے میں جتنی ہماری معلومات تھیں جب ہم نے ان کے سامنے پیش کیں تو وہ سب یہ مفاہیم سن کر مدہوش ہو گئے تھے۔

جب ہم لوگ وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ کوئی اجتماع ہو رہا ہے۔ یہ اجتماع تین روزہ ہوتا ہے جس میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔ مجموعی طور پر سب کے سب تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور دنیا کے

گوشہ و کنار سے اس اجتماع میں شرکت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ہر مقرر کے پاس صرف پانچ منٹ ہوتے ہیں اور اسی مدت میں اس کو اپنی بات مکمل کرنی ہوتی ہے۔ اس اجتماع میں تقریر کرنے کے لئے مجھے بھی مدعو کیا گیا کہ میں بھی ایران سے آئے ہوئے آیت اللہ کی حیثیت سے اس پروگرام میں شرکت کروں۔ اس دعوت کو میں نے قبول کرلیا اور طے پایا کہ اگلے روز میں عرفان سے متعلق گفتگو کرونگا۔ میں نے تقریباً بیس منٹ تقریر کی تھی اور اپنی گفتگو کے دوران وہی مفاہیم و مضامین پیش کئے تھے جو ہمارے دینی معارف میں موجود ہیں اور بہت سادہ ہیں مثلاً یہ کائنات قلب کی طرح ہے، ہستی محبت محض ہے وغیرہ۔ نیز کچھ دیر قلوب کو جوڑنے والی باتیں بھی کیں۔ میری تقریر کے اختتام پر وہاں موجود افراد نے میری حوصلہ افزائی کی بلکہ کچھ دانشور تو آگے بڑھ کر میرے پاس بھی آئے اور ان سب کا یہی سوال تھا کہ یہ سارے نکات آپ نے کہاں سے بیان کئے ہیں؟ کیا یہ مفاہیم وحی ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! یہ مفاہیم وحی ہیں لیکن اب سے چودہ سو سال قبل نازل ہوئے ہیں۔ یہ مفاہیم ان افراد کے لئے اس قدر پر کشش تھے کہ اس پروگرام کے بعد بھی ان میں سے بعض افراد نے میرے پاس خطوط ارسال کئے تھے۔

توحید سے متعلق ہمارے دینی معارف و تعلیمات اور نہج البلاغہ و صحیفہ سجادیہ جیسی کتب میں ایسے ہی پیغامات پوشیدہ ہیں۔ کچھ عرصے قبل ہمیں مدینہ میں ایک ادبی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اس جلسے کا عنوان تھا مدینۃُ الادبی۔ کافی اچھا پروگرام تھا۔ پروگرام میں کبھی عربی اور کبھی فارسی اشعار ترجمے کے ساتھ پڑھے جا رہے تھے۔ تبھی ہمارے ایک ساتھی نے صحیفہ سجادیہ کا ایک حصہ بھی پڑھا۔ پروگرام کا ماحول ہی بدل گیا، یہاں تک کہ شرکت کرنے والے بعض افراد تو رو بھی رہے تھے۔ کسی نے سوال بھی کیا کہ یہ جو کچھ ابھی آپ نے پڑھا تھا اس کا خالق کون ہے؟ کیا یہ خود آپ ہی کے تالیف کردہ جملے تھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ صحیفہ سجادیہ سے ماخوذ ہے جسے زبور آل محمد بھی کہا جاتا ہے اور یہ کتاب امام علی بن حسینؑ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ہماری کتب ادعیہ میں شمار ہوتی ہے۔ صحیفہ سجادیہ کا یہ ٹکڑا ان کے دلوں پر ایسے جا کر لگا تھا کہ وہ سب منقلب ہو گئے تھے اور رو رہے تھے جبکہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو سلفی تفکر کے حامل تھے اور جو جانتے بھی نہیں ہیں کہ گریہ کسے کہتے ہیں کیونکہ ان کے دل پتھر کے ہو چکے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے دینی منابع و مصادر۔

اخلاقی مباحث میں ہمارے پاس نہایت اہم سرمایہ موجود ہے۔ پیغمبر اسلامؐ کی تو خصوصیت ہی ان کا اعلی اخلاق پر فائز ہونا تھا۔خداوند عالم نے آنحضرت کی کامیابی کی دلیل کے طورپر ان کی خوش اخلاقی کو ہی پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کی اس خوش خلقی کی وجہ سے ہی لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہوئے ہیں۔ اس کے برخلاف عصر حاضر میں صورت حال یہ ہے کہ اسلام پر تشدد و دہشت کا الزام عائد کیا جارہا ہے۔ آیت اللہ بہشتی کا ایک نظریہ پیش ہوا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اخلاق نبوی بذات خود ایک معجزہ ہے کیونکہ معجزے کے اثرات اخلاق نبوی پر مترتب تھے اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد اخلاق نبوی کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اخلاق و کردار کی بنیاد پر اسلام کی تبلیغ فرمائی تھی۔آج صورتحال یہ ہے کہ ایک گروہ چاہتا ہے کہ قتل و غارتگری کی بنیاد پر دوسروں کو مسلمان بنایا جائے۔

بہرحال نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے پاس کیسے کیسے قیمتی و نادر گوہر موجود ہیں لیکن ہم ان گوہروں کو دنیاوالوں کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں جب کہ وہ مٹی کے ٹکڑوں کو گوہر بنا کر دنیا کے گلے کا ہار بنارہے ہیں اور فریب کا جادو چلا کر زہر کو دوا کے نام سے آج کے بشر اور معاشرہ کے حوالے کررہے ہیں اور اس طرح دنیا کو حقوق انسانی وآزادی کے مسموم نعروں سے ویران کررہے ہیں۔